احمد ندیم قاسمی کا ایک خاص افسانوی کردار(پرمیشر سنگھ(

احمد حسین/ڈاکٹر منور ہاشمی

ABSTRACT:

Ahmad Nadeem Qasmi was born in Anga Distt: khushab, Punjab Pakistan on 20th november, 1916.He is well known a short story writer, a poet, a critic , a scholar,a columnist,a sketch writer and a literary personas editor of manifold journals.Ahmad Nadeem Qasmi was creater of seven books of poetry and seventeen short story combinations.He remained in touch with radical movement the whole life and he also possessed designation of secretary of the same movement.Govt of the Pakistan awarded him many literary awards as well.Qasmi wrote alot of unmatched short stories and " parmaisher singh" is one of them, which is the manument in the back ground of partition of indo Pak for human friendship and harmony. He got about 90 springs of life and met his creator(ALLAH) on july 10,2006,while serving urdu literature for about 75 years of his age.

تقسیم ہندوستان ۱۹۴۷ء کے پس منظر میں لکھے گئے ادب مینشاعری، ناول، افسانہ اور ڈرامہ سبھی شامل ہیں۔ نثری اصناف میں کچھ ناول اور افسانے لافانی ہوگئے، ان میں سے ایک افسانہ ''پرمیشر سنگھ'' بھی ہے۔ جب بھی تقسیم ہند اور فسادات کے موضوع پر لکھے گئے افسانوں پر بحث ہوگی، تو ان میں قاسمی کے پرمیشر سنگھ کو ضرور شامل کیا جائے گا۔ یہ افسانہ نومبر ۱۹۵۲ء میں لکھا گیا تھا جب یہ فسادات گزرے ۴ سال ہو چکے تھے۔ اس لیے فن کار کے ذہنی تموجات میں بھی کچھ ٹھہرائو آ چکا تھا۔ اس افسانے کو تقسیم ہند کے موقع پر ہونے والے فسادات کا اگر منظرنامہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اس افسانے کی کہانی کچھ اس طرح ہے کہ، اس کا مرکزی کردار پرمیشر سنگھ، سکھ ہے۔ اس افراتفری اور جنگ وجدل ک ماحول میں اس کا بیٹا کرتار سنگھ اس سے بچھڑ گیا ہے۔ پرمیشر سنگھ کا گائوں پاکستان اور ہندوستان کی سرحدی لائن کے قریب ہی کہیں ہندوستان میں ہے۔ یہ گائوں ایسی جگہ پر ہے جہاں سے مسلم مہاجرین کا پاکستان کی طرف گزر ہوتا ہے اور سکھ اور ہندو مہاجرین کے قافلے پاکستان سے ہندوستان کی طرف عموماً اس راستے سے گزرتے ہیں۔ ایسے میں سکھوں کا ایک گروہ (جتھا) مسلم مہاجرین کو لوٹنے کے لیے مورچہ بنائے ہوئے ہے۔ سکھ جب قافلے پر حملہ آور ہوتے ہیں تو اس پریشانی کے عالم میں ایک مسلمان بچہ جو تقریباً کرتار سنگھ کا ہم عمر ہے اپنے قافلے سے بچھڑ جاتا ہے۔ جس کو پرمیشر سنگھ جذبہ ہمدردی کے تحت اپنے ساتھ گھر لے آتا ہے۔ اس کے دل میں خیال آتا ہے کہ اس کا کرتار سنگھ بھی ایسے ہی کہیں پریشان ہو رہا ہوگا۔ اور پرمیشر سنگھ یہ محسوس کرتا

ہے کہ جیسے اُسے اس کا کرتار سنگھ مل گیا ہے۔ یہاں سکھ اور مسلمان کا آپس میں مذہبی تضاد نظر آتا ہے کہ پرمیشر سنگھ کے ساتھی اس بچے کو قتل کرنے پر آمادہ نظر آتے ہیں۔ مگر پرمیشر سنگھ اُن کو روکتا ہے، اُن سے جھگڑتا ہے، اور بقول قاسمی کے وہ اپنے ساتھیوں سے یوں مخاطب ہوتا ہے: ''مارو نہیں یارو، اتنا سا تو ہے اور اسے بھی تو اسی واہگرو نے پیدا کیا ہے جس نے ہمیں پیدا کیا ہے'' باقی سکھوں میں سے ایک نے کہا کہ اس بچے سے پوچھ لیتے ہیں، جس پر پرمیشر سنگھ گھبرا کر بچے کے پاس ہو کر آہستہ سے کہتا ہے ''بولو تمہیں کس نے پیدا کیا ہے؟ خدا نے... کہ واہگرو نے؟... '' ایسے میں جب یہ سب سکھ اپنی میانوں سے کرپانیں نکالے ہوئے اختر کے اردگرد کھڑے تھے۔ اختر سراسیمگی کے عالم میں کہتا ہے کہ: پتہ نہیں۔ میری ماں تو کہتی تھی کہ اس نے مجھے بھوسے کے ڈھیر سے اٹھایا ہے۔ جس پر سب سکھ زور زور سے ہنسنے لگتے ہیں۔ مگر پرمیشر سنگھ بڑی گھمبیر آواز میں کہتا ہے کہ: ''سب بچے ایک سے ہوتے ہیں یارو۔ میرا کرتارا بھی تو یہی کہا کرتا تھا۔ وہ بھی اس کی ماں کو بھوسے کی کوٹھڑی میں پڑا ملا تھا'' اس گفتگو سے دیگر سکھ اختر کو قتل کرنے کا ارادہ ختم کر دیتے ہیں۔

پرمیشر سنگھ اختر کو لے کر اس گھر میں پہنچتا ہے جو اس گائوں کے پنچائیتیوں نے پرمیشر سنگھ کو دیا تھا۔ جو کسی مسلمان خاندان کی ہجرت کی وجہ سے خالی پڑا تھا۔ اس گھر میں پرمیشر سنگھ کی بیوی (بنتو) اس کی ایک بیٹی ہے جو اختر کو کسی صورت قبول نہیں کرتیں۔ اور اس کو مسلمان اور ناپاک جانتے ہوئے اس سے نفرت کرتی ہیں۔ کچھ دیرے کے بعد پرمیشر سنگھ یہ فیصلہ کرتا ہے کہ اختر کے بال بڑھا دیے جائیں اور بالونمیں کیس رکھا جائے، سر پر پگڑی باندھی جائے تاکہ اس کی سکھ بچوں سے مماثلت ہوجائے مگر اس کو سکھ بنانے سے پرہیز کیا جائے۔ اس طرح اختر کی جان کو خطرہ کم ہوجائے گا۔ پرمیشر سنگھ جب یہ محسوس کرتا ہے کہ اب حالات میں کچھ ٹھہرائو آگیا ہے اور گھر میں بھی اس کی بیوی اور بیٹی اس کو کسی قیمت پر برداشت کرنے کو تیار نہیں ہیں تو وہ اس کو پاکستان بھیجنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ جب سرحد کے قریب کھڑے ہوکر وہ اختر کو دور کا اشارہ کر کے کہتا ہے کہ اس گائوں میں تمہاری ماں ہے وہ تمہارا انتظار کر رہی ہے۔ پرمیشر سنگھ جیسے ہی واپس پلٹتا ہے تو پاکستانی فوج کی گولیوں سے زخمی ہوجاتا ہے۔ یہ گولیاں اس کی ٹانگ میں لگیں۔ یہی منظر افسانے کا اختتام بھی ہے۔فنی لحاظ سے پرمیشر سنگھ افسانہ ایک کامیاب ترین کوشش کہی جاسکتی ہے۔ اس افسانے کو ماہرین فن نے بے حد کامیاب افسانہ قرار دیا ہے۔ افسانے میں فسادات اور شر کی نسبت بھلائی اور خیر کے جذبات کو اُجاگر کرنے کی سعی ہے۔ یہ ایک ایسی آفاقی قدر ہے جس کو ہر حال اور ہر مقام پر تحسینی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ ڈاکٹر طاہرہ اقبال اپنے ایک مضمون میں قاسمی کے افسانوں میں پائے جانے والے اس پہلو پر یوں رقم طراز ہیں:

''احمد ندیم قاسمی کے افسانوں کا بنیادی فلسفہ خیر و شر کی آویزش میں سے خیر کی سرخروئی ہے۔ اندھیرے میں سے پھوٹتی کرن کی مانند شیطانوں کے بیچ میں انسان کا نکل آنا۔ وحشیوں میں سے ضمیر کی چنگاری کا پھوٹنا ان کے افسانوں کی مرکزی جہت ہے۔ اُن کے ابتدائی افسانے جو ۱۹۴۷ء کے فسادات کے تناظر میں لکھے گئے۔ اس دور کی خونی فضائوں، وحشی سرشتوں کا جو نقشہ کھینچا

گیا ہے۔ اس میں سے بھی خیر کی لَو ٹمٹماتی ضرور رہی ہے۔ اس حوالے سے ایک اہم افسانہ احمد ندیم قاسمی کا پرمیشر سنگھ ہے...'' (۱(

جب پرمیشر سنگھ اور اس کے ساتھی سکھ قافلے کو لوٹ مار کرنے کے مرحلے سے واپس ہوئے تو پرمیشر سنگھ کے ساتھ اختر کو دیکھ کر اسے قتل کرنے کے لیے لپکے۔ اس پر پرمیشر سنگھ اُن سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ ''مارو نہیں یارو'' اس سنگین صورتِ حال کو قاسمی نے یون بیان کیا ہے:

''ایک نوجوان سکھ جس نے اب تک کرپان نکال لی تھی، بولا: ذرا ٹھہر پرمیشرے، کرپان اپنا دھرم پورا کر لے، پھر ہم اپنے دھرم کی بات کریں گے۔ ''مارو نہیں یارو'' پرمیشر سنگھ کی آواز میں پکار تھی۔ اسے مارو نہیں، اتنا سا تو ہے، اور اسے بھی اسی واہگرو جی نے پیدا کیا ہے جس نے... تمہیں اور تمہارے بچوں کو پیدا کیا ہے'' (۲(

کافی بحث کے بعد کرپان میان میں چلی گئی۔ مگر کچھ سکھوں نے باہمی مشورہ سے پرمیشر سنگھ کو کہا کہ اس بچے کو لے جائے مگر اس کے کیس بڑھوا کر اسے اپنے کرتارے جیسا بنا لے تاکہ یہ مسلم کی بجائے سکھ بن جائے۔ مگر گھر پہنچتے ہی پرمیشر سنگھ کی بیوی ایک دوسری بلا کی صورت میں سامنے آئی۔ وہ کہتی ہے کہ اگر کوئی لڑکی اٹھا لاتا تو کچھ رقم وصول کر لیتے۔ جس سے گھر کا دانہ پانی چل جاتا۔ وہ مسلمان لڑکے کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے کہتی ہے:

''ڈاکہ مارنے گیا تھا سورما، اور اٹھا لایا یہ ہاتھ بھر کا لونڈا۔ ارے کوئی لڑکی ہی اٹھا لاتا تو ہزار میں نہ سہی ایک دو سو میں تو بک جاتی۔ اس اجڑے گھر کا کھاٹ کھٹولا بن جاتا... پگلے... تجھے تو کچھ ہوگیا ہے۔ دیکھتے نہیں یہ لڑکا مُسلا ہے؟... پرمیشر نے التجا کی، کرتارے اور اختر کو ایک ہی واہگرو جی نے پیدا کیا ہے، سمجھیں؟ نہیں، اب کے بیوی چیخ اٹھی، میں نہیں سمجھنا چاہتی۔ میں رات ہی رات جھٹکا کر ڈالوں گی اس کا۔ کاٹ کے پھینک دوں گی۔ اٹھا لایا ہے وہاں سے... لے جا اسے، پھینک دے باہر۔ تمہیں نہ پھینک دوں باہر؟ اب کے پرمیشر سنگھ بگڑ گیا۔ تمہارا نہ کر ڈالوں جھٹکا۔ وہ بیوی کی طرف بڑھا...'' (۳(

ایسی تلخ صورتِ حال میں اختر کا اس گھر میں رہنا محال تھا۔ مہینہ بھر گزر گیا مگر اختر کو پرمیشر سنگھ کی بیوی اور بیٹی امر کور نے ہرگز قبول نہیں کیا۔ جس سے گھر کے حالات بھی کشیدہ تر ہوتے گئے۔ یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ سکھ لوگ مسلمان کو ناپاک سمجھتے ہیں تو مسلمان بھی فطرتاً اُن کو ناپسند کرتے ہیں۔ یہاں قاسمی نے اُن مذہبی اقدار کی جانب اشارہ کیا ہے جن کو اس کے ماننے والے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتے ہیں، اور مصلحتاً بھی اس کو قبول کرنے سے گریزاں رہتے ہیں۔پرمیشر سنگھ کے گھر میں بے اطمینانی تو تھی ہی اوپر سے گائوں کا سردار (گرنتھی جی) بھی اس کے گھر میں آیا اور رُعب دار لہجے میں بولا:

''گائوں کا گرنتھی جی سردار سنتوکھ سنگھ اندر آیا، اور بولا: پرمیشر سنگھا!... کل سے یہ لڑکا خالصے کی سی پگڑی باندھے گا۔ کڑا پہنے گا، دھرم شالہ آئے گا اور اسے پرشاد کھلایا جائے گا۔ اس کے کیسوں کو قینچی نہیں چھوئے گی۔ چھو گئی تو کل سے یہ گھر خالی کر دو، سمجھے؟

جی! پرمیشر سنگھ نے آہستہ سے کہا۔

ہاں! گرنتھی جی نے آخری ضرب لگائی۔ ایسا ہی ہوگا گرنتھی جی۔

پرمیشر سنگھ کی بیوی بولی: پہلے ہی اسے راتوں کو گھر کے کونے کونے سے کوئی چیز قرآن پڑھتی سنائی دیتی ہے، لگتا ہے پہلے جنم میں یہ مسلا رہ چکا ہے۔''(۴(

پرمیشر سنگھ اس گھر میں کئی بار قرآن پڑھنے آواز سن چکا تھا۔ یہاں افسانہ نگار نے اختر کی نفسیات کو بیان کیا ہے کہ اگر سکھ کسی معصوم مسلمان بچے کو برداشت نہیں کر پارہے تو اختر بھی انتہائی مجبوری اور بیماری کی حالت میں بھی فطری لگائو یعنی قرآن پاک کی سورتوں کی تلاوت کرتا رہتا ہے۔ یعنی کڑا پہن لینے، کیس بڑھا کر پگڑی باندھ لینے اور کچھیرا پہن لینے کے باوجود اختر یہ نہیں بھولتا کہ وہ مسلمان ہے اور پاکستان ہجرت کرتا ہوا اپنی ماں سے بچھڑ گیا تھا۔ اختر کو شدید بخار ہے لیکن اس حالت میں بھی اختر قرآن کی وہ آیتیں تلاوت کرتا ہے جو اس کی ماں نے اسے بچپن میں یاد کرا دی تھیں۔ اس ساری صورتِ حال کو افسانہ نگار نے بڑے پر اثر طریقے سے یوں بیان کیا ہے:

''پرمیشر سنگھ سوتے میں بڑبڑا کر اٹھ بیٹھتا ہے اور اپنی بیوی کو دھیرے سے پکار کر کہتا ہے: اجی سنتی ہو، یہاں کوئی چیز قرآن پڑھ رہی ہے... امر کور چیخ مار کر اٹھ بیٹھتی ہے۔ امر کور کی چیخ کے ساتھ ہی بیمار اختر کی بھی چیخ نکل جاتی ہے۔ پرمیشر سنگھ تڑپ کر بیمار اختر کو چھاتی سے لگا لیتا ہے اور پوچھتا ہے کہ کیا ڈر گئے ہو بیٹے؟... پرمیشر سنگھ اسے بتاتا ہے کہ لگتا ہے کوئی چیز قرآن پڑھ رہی ہے۔ قرآن کی بات سن کر معصوم اختر اعتراف کرتا ہے کہ قرآن کوئی اور نہیں قرآن وہ خود پڑھ رہا تھا...'' (۵(

پرمیشر سنگھ کو یہ بات شدت سے محسوس ہوتی ہے کہ اختر کو سکھ بنا کر اپنے پاس رکھنا کوئی اچھا انسانی عمل نہیں ہے، اور وہ یہ فیصلہ کرتا ہے کہ اختر کو پاکستان پہنچانے کی کوشش کرے گا۔ ممکن ہے کہ اس کی ماں اسے مل جائے۔ اگر یہ نہ ہو سکا تو کم از کم وہ مسلمانوں میں تو رہے گا اور اس کا دھرم تو تبدیل نہیں ہوگا۔ ایک دن جب اختر خوب سویا تھا تو شام کے وقت پرمیشر سنگھ اس کو کہتا ہے کہ آئو تمہیں سیر کرائوں، چاندنی رات میں پرمیشر سنگھ اختر کو کمبل میں لپیٹ کر اٹھا لیتا ہے اور کھیتوں کی طرف چلتا جاتا ہے اور پرمیشر سنگھ اختر سے کہتا ہے کہ:

''یہ چاند جو پورب سے نکل رہا ہے نا بیٹے یہ جب ہمارے سر پر پہنچے گا تو صبح ہو جائے گی۔ اختر چاند کی طرف دیکھنے لگا ہے۔ پرمیشر سنگھ اسے بتا رہا ہے کہ یہ چاند جو یہاں چمک رہا ہے نا یہ وہاں بھی چمک رہا ہوگا۔ تمہاری ماں کے دیس میں۔ اختر معصومیت سے پوچھتا ہے ہم چاند دیکھ رہے ہیں تو کیا ماں بھی چاند دیکھ رہی ہوگی؟ پرمیشر سنگھ اس کے سوال کا جواب ہاں میں دیتا ہے، اور کہتا ہے کہ کیا تم ماں کے پاس جانا چاہو گے...'' (۶(

پرمیشر سنگھ اور اختر آپس میں باتیں کرتے جاتے ہیں اور پرمیشر سنگھ پاکستان کی سرحد کی طرف بڑھتا جاتا ہے۔ پرمیشر سنگھ اختر کے ساتھ گزرے دن یاد کر کے روتا جاتا ہے اور اختر کو کہتا ہے کہ کیا تم گانا سنو گے؟ اختر ہاں میں جواب دیتا ہے، مگر پرمیشر سنگھ کہتا ہے کہ پہلے تم مجھے قرآن سنائو۔ اختر قل ھواللہ پڑھنا شروع کرتا ہے اور پھر اپنے سینے پر پھونک مارتا ہے، ساتھ ہی پرمیشر سنگھ کو کہتا ہے کہ لائو تمہارے بھی چھُو کر دوں، جس پر پرمیشر سنگھ نے قمیض کے بٹن کھول کر

سینہ ننگا کر دیا۔ جس پر اختر نے چھو کردیا۔ جب پاکستان کی سرحد قریب آگئی تو دور سے اذان کی آواز سنائی دی۔ پرمیشر سنگھ اختر کو کہتا ہے میں یہاں سے آگے نہیں جا سکتا تم جائو۔ وہ اختر کو جاتے ہوئے دیکھتا رہتا ہے۔ ادھر پاکستانی سرحد پر فوجی تعینات ہیں جو رائفلوں پر سنگینیں چڑھائے مستعد کھڑے ہیں۔ پرمیشر سنگھ یہ سوچتا ہے کہ اس نے اختر اور اس کا دین دونوں ہی اس کی ماں کو واپس کر دیے ہیں۔ کاش اسی طرح اس کا کرتارا بھی صحیح سلامت اُسے واپس مل جائے، اور وہ اختر سے جاتے ہوئے کہتا ہے: اور ہاں تمہیں کرتارا نام کا کوئی لڑکا ملے نا تو اسے ادھر بھیج دینا۔ اچھا؟مگر اختر کو پاکستانی سپاہیوں نے پکڑ لیا۔ اس وقت کیا ہوا، قاسمی نے لکھا ہے:

''اختر ابھی گائوں کے قریب نہیں پہنچا تھا کہ دو سپاہی لپک کر آئے اور اسے روک کر بولے: کون ہو تم؟

''اختر'' وہ یوں بولا جیسے ساری دنیا اس کا نام جانتی ہے۔

اختر! دونوں سپاہی کبھی اختر کے چہرے کو دیکھتے ہیں اور کبھی اس کی سکھوں کی سی پگڑی کو، پھر ایک نے آگے بڑھ کر اس کی پگڑی سر سے اُتار لی تو اختر کے کیس کھل کر ادھر ادھر بکھر گئے... میرا کنگھا لائو۔ تم نے میرا کنگھا لے لیا ہے۔ دے دو ورنہ میں تمہیں ماروں گا۔'' (۷(

اختر اور سپاہیوں کے درمیان یہ باتیں ابھی جاری تھیں کہ ایک طرف سے ہالٹ! کی آواز آئی اور سپاہی زمین پر لیٹ کر نشانہ باندھے دوسرے جواب کا انتظار کرنے لگا۔ اسی اثناء میں صبح کا اُجالا ہو چکا تھا۔ کہ انہوں نے پرمیشر سنگھ پر گولی داغی، افسانہ نگار نے اس منظر کو اِن الفاظ میں بیان کیا ہے:

...''انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور ایک نے فائر کر دیا۔ اختر فائر کی آواز سے دہل کر رہ گیا اور سپاہیوں کو ایک طرف بھاگتا دیکھ کر وہ بھی روتا چلاتا ہوا ان کے پیچھے بھاگا۔

سپاہی جب ایک جگہ پہنچ کر رُکے تو پرمیشر سنگھ اپنی ران پر کس کر پگڑی باندھ چکا تھا۔ مگر خون اس کی پگڑی کی سینکڑوں پرتوں میں سے بھی پھوٹ آیا تھا اور وہ کہہ رہا تھا، مجھے کیوں مارا تم نے۔ میں تو اختر کے کیس کاٹنا بھول گیا تھا۔ میں تو اختر کو اس کا دھرم واپس دینے آیا تھا یارو۔

دور اختر بھاگا آرہا تھا اور اس کے کیس ہوا میں اُڑ رہے تھے۔'' (۸(

محبت کے جذبے اور انسانی ہمدردی کے جذبے سے لبریز کہانی قاری پر ایک پر تاثیر تاثر چھوڑتی ہے۔ فنی لحاظ سے افسانے کی تمہید اور اختتام کو تخلیقی حسن سے پیش کیا گیا ہے۔ افسانے کے فنی لوازم جیسے آہنگ، حسن ترتیب، زبان و بیان میں سادگی بھی ہے اور موضوع کے مطابق اس کے مکالمات برمحل بھی ہیں۔ بنیادی طور پر پرمیشر سنگھ کو انسان دوستی اور انسان نوازی جیسی صفات سے بھرپور کردار کے طور پر پیش کیا ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ اس وقت دونوں طرف ہی کچھ لوگ ایسے موجود تھے جنہوں نے انسانوں پر بربریت اور تشدد کا راستہ اختیار کرنے کی بجائے ہمدردی کا راستہ اپنایا تھا۔

پرمیشر سنگھ افسانے میں انسان دوستی، رواداری، ایثار، دوسروں کے دُکھ کو اپنا دُکھ سمجھنا، اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر دوسروں کی جان بچانا اور یہ سب کچھ مذہب و مسلک کی قید سے آزاد ہو کر

کردار ادا کرنا، ایسی اعلیٰ اخلاقی اقدار ہیں جن کو اگر آفاقی اقدار بھی کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ ندیم قاسمی نے افسانے میں نفرت کی بجائے ہمدردی اور ہمدردی کے ساتھ ساتھ چھوٹوں سے پیار کا اور رحم دلی سے پیش آنے کا سبق دیا ہے۔ مجموعی طور پر یہ افسانہ قاسمی کے شاہکار افسانوں میں شامل ہے، اور تقسیم ہند کے پس منظر میں لکھے گئے دیگر افسانوں کے مقابلے میں کسی لحاظ سے بھی کمتر نہیں سمجھا جا سکتا۔اس افسانوی مجموعے ''بازارِ حیات'' کا فلیپ لکھتے ہوئے پروفیسر اُسلوب احمد انصاری نے بالخصوص پرمیشر سنگھ کی بے حد توصیف کی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے:

''پرمیشر سنگھ کو درجہ اول کی تخلیق ماننا مبالغہ نہ ہوگا۔ سردار جی (احمد عباس) تصویر سچی ہونے کے باوجود کسی قدر غیر متناسب ہوگئی ہے۔ ندیم قاسمی کے یہاں ہر چیز جچی تُلی اور نوک پلک سے آراستہ ہے۔'' (۹(

پروفیسر اُسلوب احمد انصاری اس افسانے کی فنی قدر و قیمت اور افسانوی نقطہ نظر سے اس کی اہمیت یوں واضح کرتے ہیں:

''پرمیشر سنگھ ان سب سکھوں اور مسلمانوں سے الگ ہے جن کے سروں پر بہیمیت کے بھوت ناچ رہے ہیں۔ ان کے مقابلے میں اس میں ایک سوز، درد مندی اور دلاسائی ہے۔ پرمیشر سنگھ کی معصوم اور دلکش شخصیت... اپنے فطری، روایتی اور مانوس تہذیبی رنگ سے ہم آہنگ رہنے کی نہ مٹنے والی خواہش، حیرت انگیز بصیرت، اعجازِ بیان اور گہری ہمدردی کے ساتھ واضح کی گئی ہے۔'' (۱۰(

قاسمی کی تخلیقات میں انسان دوستی کا پہلو بہت نمایاں ہے۔ یہ ایسا پہلو جو ان کے ادبی مسلک میں ابتدا ہی سے راسخ ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ ترقی پسند تحریک سے وابستگی بھی ہے جس کا ایک اہم پہلو انسان کو اس کا چھنا ہوا وقار واپس دلانا تھا۔ ندیم قاسمی کے اس طرزِ اظہار سے متعلق پروفیسر سحر انصاری رقم طراز ہیں:

''ترقی پسند تحریک سے احمد ندیم قاسمی کی وابستگی کا سب سے بڑا محرک ان کی انسان دوستی ہے۔ ابتداء ہی میں ان کے ہاں عظمتِ انسان کا احساس اور تقدیرِ آدم کا ادراک نمایاں ہے۔ ترقی پسند تحریک کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اصول انسان کو اس کی عظمتِ گم شدہ سے ہم کنار کرنا اور تقدیر آدم کے رموز کو فاش کرنا ہے اس لیے احمد ندیم قاسمی کی اس سے وابستگی فطری تھی۔'' (۱۱(

قاسمی نے اپنے افسانوں اور شاعری میں اپنی اس وابستگی کو نبھانے کی پوری پوری سعی کی ہے۔ قاسمی کا یہ افسانہ پنجاب کے لوگوں کی فراخدلی جیسی روایت کا بھی امین ہے۔مشکل وقت انسان میں تبدیلی کا سبب بن سکتا ہے۔ معاشی تنگی منفی ہتھکنڈے اپنانے پر مجبور کر سکتی ہے۔ وہ بھی ایسے حالات میں جب انسان قتل و غارت گری اور دربدری کے حالات سے دوچارہو۔ مگر افسانہ نگار نے پرمیشر سنگھ میں استقامت، خلوص اور ایثار جیسی صفات کو اُجاگر کیا ہے۔ پرمیشر سنگھ کی ان اعلیٰ انسانی صفات کا ذکر شیخ محمد غیاث الدین نے ''ہندو مسلم فسادات اور اردو افسانہ'' میں ان الفاظ میں کیا ہے:

''پرمیشر پر حالات اور فرقہ پرستی کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ وہ ہر حال میں محبت، نیکی، خلوص اور قربانی کا علمبردار ہے۔ اس کے دل میں انسانیت کا چشمہ بہتا ہے۔ اس کے دوست اسے مشورہ دیتے ہیں

کہ اپنے آپ کو بدل ڈالو۔ موقع ہے ظلم و ستم کرو اور فائدہ اٹھائو، لیکن وہ ایسا نہیں کرتا۔ پرمیشر معاشی طور پر غریب سکھ ہے۔ اس کا آبائی وطن لاہور تھا۔ فرقہ وارانہ جھگڑے میں اپنی بیوی اور بیٹی امرکور کے ساتھ وہ امرتسر آگیا۔'' (۱۲(

پرمیشر سنگھ کی شریف النفسی اور انسان دوستی کے پہلو پر غور کیا جائے تو وہ بڑی حد تک ''بابا گرو نانک'' کی تعلیمات کا پرتو ہیں۔ انہوں نے بھی دریا سے باہر آنے پر پہلا لفظ یہی کہا تھا کہ ''نہ کوئی ہندو نہ کوئی مسلمان نہ کوئی سکھ'' یعنی سب انسان ایک جیسے ہیں۔ پرمیشر سنگھ کا اختر سے ہمدردی کا رویہ بھی اسی کا عکاس ہے۔ شیخ محمد غیاث الدین اس کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

''پرمیشر کا دل آدمیت اور انسانیت کے جذبے سے لبریز ہے۔ جب وہ لاہور سے آکر امرتسر کے مسلمان کے گھر میں داخل ہوا تو سب سے پہلے اس نے بیوی سے یہ کہا کہ یہاں مجھے قرآن پڑھنے کی آواز آ رہی ہے۔ بنتو نے اسے ڈانٹا کہ اپنا دماغ صحیح رکھے... پرمیشر کو اذان اچھی لگتی تھی... اس نے اختر سے بھی کہا کہ وہ قرآن پڑھ کر سویا کرے۔ اختر نے قل ھواللہ پڑھ کر اپنے سینے کو پھونکا اور پرمیشر سے کہا لائو تمہیں بھی چھو کر دوں تو اس نے کرتے کا بٹن کھول دیا۔ اسے ذرا بھی گھن کا احساس نہیں ہوا کہ مسلمان کے قرآن کی باتیں ہیں۔'' (۱۳(

پرمیشر سنگھ کا کردار آفاقی محبت کی علامت ہے ۔جس کی نگاہ میں تمام انسان اپنے اپنے مذہب کی پابندی کا حق رکھتے ہیں۔ اس بنا پر کسی کی آزادی میں دخل اندازی نہیں کرنی چاہیے۔ پرمیشر نے افسانے میں اس کردار کو بڑی فراخدلی اور جرأت مندی سے نبھایا ہے۔ جن حالات سے وہ دوچار تھا ایسے حالات میں ایسا سوچنا بھی جرم تھا۔ اس افسانے کا ایک ننھا کردار ''اختر'' بھی فسادات کے پس منظر میں ایک جیتا جاگتا کردار ہے۔ اس کی معصومیت کے باوجود تہذیبی شناخت معدوم نہیں ہوتی بلکہ اور بھی نکھر کر سامنے آتی ہے۔ وہ تہذیب کی ایک علامت کے طور پر برقرار رہتا ہے۔ پروفیسر فتح محمد ملک اس کردار اور اس کے خالق کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

''اختر فسادات کے موضوع پر وجود میں آنے والی اس عہد آفریں کہانی کا جیتا جاگتا کردار بھی ہے اور ہندی مسلمانوں کی جداگانہ تہذیبی شناخت کی علامت بھی۔ اختر کے ساتھ ندیم کی افسانہ نگاری اُس ارتقائی مرحلے پر پہنچ جاتی ہے جہاں وہ تمثیلی انداز کو حقیقت پسندی میں یوں شیر و شکر کر دیتے ہیں کہ افسانہ سامنے کی زندگی کی سیدھی سچی عکاسی ہوتے ہوئے بھی ایک رمز بن جاتا ہے اور جیتے جاگتے کردار علامتی معنویت سے لبریز ہوجاتے ہیں۔'' (۱۴(

احمد ندیم قاسمی نے اس کہانی کے معصوم کردار ''اختر'' کو فنی پختگی سے مسلم تہذیب کی عکاسی کا ذریعہ بنایا ہے۔ پرمیشر سنگھ کو سکھ مت کی بنیادی تعلیمات کی عکاسی کرتے دکھایا گیا ہے۔ ان دونوں مذاہب (سکھ مت، اسلام) کی وہ اعلیٰ اخلاقی اقدار جو ان میں مشترک ہیں ان کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ بنیادی طور پر ندیم قاسمی اور پرمیشر سنگھ ایک ہی شخصیت کے دو پہلو ہیں اور اختر ان کی نئی نسل کی نمائندگی کرتا ہے۔ قاسمی کا مذہب سے لگائو اور انسان دوستی کا پہلو اِن کرداروں کی صورت میں جلوہ گر ہے۔

درج بالا حقائق و آراء سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ فسادات کے موضوع پر احمد ندیم قاسمی کا افسانہ ''پرمیشر سنگھ'' کسی بھی ایسے تناظر میں لکھے گئے افسانے سے کم تر نہیں ہے۔ اگر اس افسانے کو بین الاقوامی معیار کے مطابق پرکھا جائے تو بھی اس کا پلڑا جھول نہیں کھاتا۔زاہدہ حنا کا ایک مضمون ماہِ نو (قاسمی نمبر) میں شائع ہوا، جس میں انہوں نے قاسمی کو پنجاب کا پریم چند قرار دیا ہے۔ بالخصوص پرمیشر سنگھ افسانے کے حوالے سے وہ لکھتی ہیں:

''لاہور کی مٹی میں پیرزادہ احمد ندیم اور پرمیشر سنگھ ایک دوسرے کے گلے میں بانہیں ڈالے آرام کر رہے ہیں۔ خالق و تخلیق کیسے شِیر و شکر ہوئے ہیں۔ کسی کی مجال ہے کہ احمد ندیم قاسمی کو پرمیشر سنگھ سے جدا کر سکے۔ کس کی ہمت ہے کہ اس افسانے کو گِریہ کیے بغیر پڑھ سکے اور اسے فراموش کر سکے۔ میں پنجاب کے اس پریم چند کو یاد کرتی ہوں جس کے پیر آخری لمحے تک رکاب سے نہیں نکلے۔'' (۱۵(

زاہدہ حنا کی رائے سے اتفاق کیا جاسکتا ہے کیونکہ قاسمی اور پرمیشر سنگھ، یوں محسوس ہوتا ہے کہ ایک ہی شخصیت کے دو پہلو ہیں۔ دونوں میں انسانی ہمدردی اور انسان دوستی کی لازوال قدریں اظہار پاتی ہیں۔

حوالہ جات:

۱۔ طاہرہ اقبال، ڈاکٹر، ''احمد ندیم قاسمی کے افسانوں میں خیر کا جذبہ''، مشمولہ: ماہ نو (قاسمی نمبر) جلد: ۶۹، ۲۰۱۶ء، لاہور: وزارتِ اطلاعات و نشریات، ص۱۵۹

۲۔ احمد ندیم قاسمی، پرمیشر سنگھ، مجموعہ بازارِ حیات، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء،ص۸

۳۔ محوّلہ بالا ، ص: ۱۳

۴۔ محوّلہ بالا ، ص: ۱۵

۵۔ محوّلہ بالا ، ص: ۱۹

۶۔ محوّلہ بالا ، ص: ۲۵

۷۔ محوّلہ بالا ، ص: ۲۸

۸۔ محوّلہ بالا ، ص: ۲۹

۹۔ اسلوب احمد انصاری، پروفیسر، فلیپ مجموعہ بازارِ حیات، لاہور: اساطیر پبلشرز، ۱۹۹۵ء

۱۰۔ محوّلہ بالا

۱۱۔ سحر انصاری، ''دشتِ وفا کا سفر''، مشمولہ افکار، ماہنامہ (ندیم نمبر)، کراچی: ۱۹۷۵ء، ص۳۹۶

۱۲۔ غیاث الدین، محمد، شیخ، ہندو مسلم فسادات اور اردو افسانہ، لاہور: نگارشات، ۱۹۹۹ء،ص ۱۹۰

۱۳۔ محولہ بالا ، ص ۱۹۱

۱۴۔ فتح محمد ملک، پروفیسر، احمد ندیم قاسمی شاعر اور افسانہ نگار، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۱ء، ص ۱۶۴

۱۵۔ زاہدہ حنا، ''پنجاب کا پریم چند''، مشمولہ ماہِ نو (ندیم نمبر)، جلد: ۶۹، ۲۰۱۶ء،ص ۱۰۶

/...../